

کہ جس کی تعلیم کی صداقت اور جس کے معلمانہ کردار کی اعجاز آفرینی پر تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ گواہ ہے کہ سرزمین حجاز کے صحرائی کلاس روم میں معلم صدق و صفا سے درس لینے والی تہذیب نا آشنا قوم دیکھتے دیکھتے اقوام عالم کے لیے نہ صرف راستی، مساوات، عدل، اخوت، احسان اور امن کی رہنما بن گئی بلکہ اس نے تدبیر و تفکر کی کنجیوں سے علوم و فنون کے بند خزانوں کے دروازے سے ساری نوع انسانی کے لیے کھول دیئے۔ حق یہ ہے کہ حضورؐ ہی کی تیار کردہ جماعت نے بین الاقوامی دور تہذیب کا افتتاح کیا، اور آج کے فاسد علوم اور بے توازن تحریکوں میں جہاں کہیں کسی قابل قدر جوہر کا کوئی ذرہ چمکتا دکھائی دیتا ہے، یہ اسی قوم محمدؐ کے فیضان کی یادگار ہے جو دوسروں کو منزل کا سراغ بنانے کے بعد خود اپنا سراغ گم کر بیٹھی۔

اصل مبحث کا آغاز کرنے سے پہلے میں اپنے اس احساسِ ندامت کو پیش کرنا چاہتا ہوں کہ ملتِ اسلامیہ ہونے کی حیثیت میں ہم نے نبی پاکؐ جیسے عظیم ترین معلم ایمان و عمل کی پیروی کا حق ادا نہیں کیا ہمارا مقام یہ تھا کہ ہم حضورؐ کو اپنی تمام فکری و عملی سرگرمیوں میں سر شہید ہدایت تسلیم کرتے، اپنے کاروانِ حیات کو ہر بیخ و بنم تاریخ سے گزارنے ہوئے حضورؐ کا دامن قیادت تھامتے، اور ریاست و اقتصاد اور تعلیم و دفاع اور دوسرے تمام شعبہ ہائے کار میں حضورؐ کے معلمانہ منصب سے روشنی حاصل کرتے مگر ہماری فسوسناک حرکت یہ ہے کہ ہم اُس ہستی کو جو قائد تہذیب انسانی تھی، ایک آراستہ و پیراستہ عجائب خانہ عقیدت میں مسند آرا کر کے اپنے فائدہ ہائے فکر و عمل کو وادی وادی میں گھماتے پھرتے ہیں۔ موجودہ بحران زدہ تہذیب کے بدراہ اور پراگندہ فکر اکابر کے دوازوں پر ہدایت کی بجائے مانگنے کے لیے عربیت کا کٹکول اٹھائے صدا لگاتے ہیں۔

تاریخ اور علم کے اذقی پر ابھرنے والے نئے نئے "آفلین" کی عارضی درخشانی کو دیکھ کر جھومتے ہوئے پکار اٹھتے ہیں کہ یہ رہا ہمارا مقصود نظر۔ پھر جب جگنو کی سی چمک دکھا کر انکھوں کا ایک تارا ڈوب جاتا ہے۔ تو پھر کسی اور کو تلاش کر کے اُس پر مڑتے ہیں۔ ہمیں کبھی اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ حضورؐ کے ہوتے ہوئے ہم کیسی کیسی ٹھنڈی اور بھینگی شخصیتوں کی تقلید میں ٹانگ ٹویئے مارنے پھرتے ہیں۔

دوسری تہذیبی بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ دنیا میں اور دنیا کے کسی بھی معاشرے میں بڑے بڑے بحران اس وقت آتے ہیں جب خود علم تاریخوں میں گہرا جانا ہے، جب تعلیم جھٹک جاتی ہے، جب

مکتب اپنے مقصود کو کم کر دیتا ہے، اور جب معلم اپنا فریضہ اور پارٹ صحیح طور سے ادا نہیں کرتا علم اور تعلیم کے بھٹکے ہوئے خورشید و مہ کے پر تو میں نہ سیاست صحت مندرہ سکتی ہے، نہ جمہوریت نشوونما پاتی ہے، نہ اقتصادی عدل قائم ہو سکتا ہے، نہ اخلاقی شعور اتنا زور دار ہوتا ہے کہ جرائم کا راستہ روک سکے، نہ قومی خودی اس حد تک توانا ہو سکتی ہے کہ بین الاقوامی مسائل کو حل کرنے کے لیے دفاعی، سفارتی اور نشری قوتوں کو صحیح طور سے بروئے عمل لاسکے۔

دورِ غلامی تو الگ رہا، آزادی پانے کے بعد بھی ہم لوگ تعلیم کے بھٹکے ہوئے خورشید کے پر تو میں ۲۴ سال سے جاوہ پجائی کر رہے ہیں۔ اسی کا نتیجہ وہ بحران ہے جو بالکل ابتدا سے آہستہ آہستہ پرورش پا کر اب پوری طرح جوان ہو گیا ہے۔

اور اگر ہم نگاہ کو ذرا سا وسیع کر کے پورے عالمی احوال کو دیکھیں تو اس حقیقت سے انکار کرنا ممکن نہیں کہ علوم و فنون، تنظیمات و ادارات، ذرائع و وسائل اور نفسیات و تعیشیات کی تیز رفتار افزائش کے باوجود انسان تہذیبی بحران سے دوچار ہے۔ جنگوں، انقلابات، قومی و طبقاتی تعصبات، طرح طرح کے منافرت انگیز متضادم نظریات اور مخوس قسم کے خونخوارانہ جرائم کے ہجوم میں کھڑا ہوا ہے۔ بس انسان دل و دماغ کا سارا سکون گنوا کر بھڑوی کے ایک مخلصانہ بول کے لیے ترس رہا ہے۔ پس آج ملکی اور قومی لحاظ سے بھی، اور عالمی لحاظ سے بھی زندگی کو سنوارنے کے لیے سب سے زیادہ توجہ طلب شعبہ، تعلیم کا شعبہ ہے۔ اسی کی درستی پر ہماری اپنی سلامتی کا بھی انحصار ہے، اور اسی کو صحیح اصول و مقاصد کے سانچے میں ڈھال کر ہم نئی نسلوں کو اس قابل بنا سکتے ہیں کہ فسادِ بحر و بر میں مبتلا دنیا کو امن و انصاف کا راستہ دکھا سکیں۔

میرے مقالے کا مقصد یہی ہے کہ ہم اپنے نظامِ تعلیم کی درستی کے لیے حضورِ خاتم النبیین کی معلمانہ حیثیت کو سامنے رکھ کر کچھ مفید اشارات و نکات اخذ کر سکیں۔ حضور کے معلمانہ کارنامے پر کوئی گفتگو اس وقت تک بے معنی ہوگی جب تک ہم اس حکمتِ علم اور حکمتِ تعلیم پر نظر نہ ڈالیں جس کے مطابق حضور نے سارا معلمانہ کام کیا۔

ہماری حکمتِ علم

علم کیا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ اور اس کے ذرائع حصول کیا ہیں؟

ان سوالوں کو چھیڑتے ہوئے جب ہم مغرب کے نظریہ علم (THEORY OF KNOWLEDGE) کو دیکھتے ہیں تو پھر ہم پیروان محمدؐ اور حاملین قرآن کی حیثیت سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس رائج شدہ باطل نظریہ علم کی وجہ سے تمام علوم بگڑ کر رہ گئے ہیں۔ ان میں جو تھوڑے بہت سچائی کے اجزاء ہیں وہ غلط افکار و تصورات کے ساتھ اس بُری طرح خلط ملط ہو گئے ہیں کہ ان کے ذریعے زندگی کو پوری طرح خیر و خوبی سے آراستہ کرنا ناممکن ہے، اور جو نظام تعلیم محض ان علوم و افکار کو منتقل کرنے کا وسیلہ بن کے رہ گیا ہو، وہ نہ ہمیں مسلمان کے سے ایمان و کردار سے آراستہ کر سکتا ہے، اور نہ انسانیت کو موجودہ بحرانی دور سے نجات دلا سکتا ہے۔

مغربی نظریہ علم کے رُو سے حقیقت صرف وہ ہے جسے ہم حواس اور قیاس کے ذریعے پاسکتے ہیں ہمارے حواس اور قیاس کے دائرے سے باہر خواہ کتنے ہی بڑے سے بڑے حقائق موجود ہوں، ہمارے لیے کا لعدم ہیں۔ ہم ایک خاص مرحلے میں جو کچھ اور جتنا کچھ جس شکل میں سمجھتے یا جان لیتے ہیں، اس مرحلے میں وہی کچھ حقیقت ہے، بعد میں اگر نئی معلومات پچھلے مسلمات کو بدل دیتی ہیں تو حقیقت نئی صورت اختیار کر کے سابق صورتوں کو مٹو خ کر دیتی ہے۔ اس نظریہ علم کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ ہمارا سارا سرمایہ علم، کسی بھی مرحلے میں، ایسے یقینیات سے خالی رہے جن پر ہم انفرادی اخلاق اور اجتماعی تہذیب کی تاسیس کر کے مطمئن ہو سکیں کہ فی الجملہ ہم نے صحیح عمارت اٹھائی ہے، اور اب مزید معلومات و تجربات کی مدد سے اسے بنانے سنوارنے کا کام جاری رکھنا ہے۔ آج کے علمی ظنیات ایسی ٹھوس نمائندگی حقیقتیں فراہم کرنے سے قاصر ہیں جن کو ہم تعمیر حیات کے عمل میں قابل اعتماد اساسیات قرار دے سکیں۔ آج کے نظریے، آج کی تحریکیں، آج کے سماجی نظام، آج کے معاشرے اُس طرح کے ریت کے گھر وندے ہیں جنہیں بچے ساحل سمندر کی ریت سے بناتے ہیں، پھر اپنے حاصلِ محنت کو توڑتے ہیں اور بار بار اسی کھیل کو دہراتے ہیں غضب یہ کہ وہ اس کھیل کھیل میں اپنے اپنے گھر وندوں کو صحیح اور بہتر اور دوسروں کے ریت کے قلعوں کو غلط اور گھٹیا قرار دے کر آپس میں لڑتے بھی ہیں۔

اس تنقیدی گفتگو کو طول دینے کے بجائے میں اُس حکمتِ علم پر مثبت گذارشات پیش کرتا ہوں جسے حضور نے دنیا کے سامنے رکھا۔

واضح رہے کہ یہاں علم کی وہ تکنیکل اقسام زیرِ بحث نہیں ہیں، جن کا مقصد زندگی کی مختلف ضروریات

پوری کرنے اور سہولتیں فراہم کرنے کے لیے اسباب و وسائل پیدا کرنا اور ان کو ترقی دینا ہے یہاں مدارِ گفتگو علم کی وہ اقسام ہیں جن کی روشنی میں انسانی رابطوں، رویوں اور تہذیبی اداروں کی غایات طے کی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں نبی پاکؐ نے بحیثیتِ معلمِ انسانیت ہمارے سامنے اولین حقیقت یہ رکھی ہے کہ علمِ کامل صرف خدا کو حاصل ہے۔ وہی کائنات کے اسرار و رموز کا جاننے والا، ظاہر و نہاں سے آگاہ اور ماضی اور مستقبل کا خبیر و بصیر ہے۔

انسان کو جو کچھ علم حاصل ہے یا آئندہ ہوگا وہ سب اسی کا عطیہ ہے۔ انسان کو جو محدود ذرائع علم حاصل ہیں وہ اسی کے عطا کردہ ہیں۔ سماعت، بصارت اور تفکر کی قوتیں اسی نے دی ہیں۔ انسانی علم کے متعلق یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ صدیوں کی حاصل کردہ ترقیوں کے باوجود اور مستقبل کے ہونے والے انکشافات سمیت بہت ہی محدود ہے۔ خدا کے علمِ کامل کو سامنے رکھتے ہوئے جب انسان کو اپنے علمِ قلیل کی محدودیت کا اندازہ ہو جاتے تو لازمی طور پر اس میں ایک تو طلبِ علم پیدا ہوگی، اور دوسرے وہ علمِ کامل کے سرچشمہ سے استفادہ کرنے کے لیے کوشاں ہوگا۔ اور اس سے استفادہ کے وسیلے کو تلاش کرے گا جو صاحبِ علمِ کامل اور اس کے زیرِ تعلیم متعلم کے درمیان بروئے عقل موجود ہونا چاہیے۔ اپنے علم کی محدودیت کا شعور انسان کو اس جسارتِ بے جا بھی روکنے کا ذریعہ ہے کہ وہ اپنی ناقص اور مشکوک معلومات پر نت نئے نظاموں اور تمدنوں کے بے ڈھنگے اور غیر متوازن ڈھانچے کھڑے کرے، ان پر اندھا دہائی انسانی قربانیوں اور محنتوں کی بھاری مقداریں صرف کرے، اور پھر وہ یکے بعد دیگرے خوفناک تباہی کے ساتھ ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے رہیں۔ حضورؐ کی حکمتِ علم انسان کو یہ بتاتی ہے کہ انسانی علم کائنات میں خدائی اور کار خدائی کا پارٹ ادا کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس علم کی محدودیت گواہ ہے کہ انسان بندگی و نیابت کے

۱۔ ملاحظہ ہوں آیات: اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ (۶۷-۶۶، ۲۶-۲۳)۔ اِنَّ اللّٰهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ (۳۵-۳۸)۔ يٰعِلْمُ سِرِّكُمْ وَجَهْرِكُمْ (۶-۳) وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۲۴-۳۰) وَسَمِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ
عِلْمًا (۶-۸۰) يٰعِلْمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (۲-۲۵۵)

۲۔ ملاحظہ ہوایت: عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمُ (۹۶-۵) ملاحظہ ہوایت: وَجَعَلْ لَّكُمْ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْئِدَةَ (۶۷-۲۳) ملاحظہ ہوایت: وَمَا اَوْثَقْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (۱۷-۸۵)

مقام پر رہ کر کسی بالاتر ہستی کے زیر ہدایت کام کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

علمِ قلیل کے مقام پر ہونے کی وجہ سے انسان مجبور ہے کہ وہ نہ صرف حسی اور قیاسی ذرائع سے کام لے کر اپنے علم میں مسلسل اضافہ کرے، بلکہ حسی و قیاسی دائرے سے بالاتر کسی دوسرے ذریعہ علم کا بھی سراغ لگائے جو تعمیر حیات کے لیے چند یقینی اساسیات مہیا کر سکے۔ پس انسان ایک لامتناہی وادی علم کا مسافر ہے جس کے لیے کمر کھولنے کی منزل کہیں نہیں آتی۔ حضور کے ذریعے اضافہ علم کی دعا جذبہ طلبِ علم کو متحرک رکھنے کے لیے سکھائی گئی ہے۔

مگر دوسرے نظریوں کے مقابلے میں اسلامی حکمتِ تعلیم ریچا ہستی ہے کہ مسافر علم کے سامنے کچھ نشانات راہ ضرور واضح ہوں، اس کے پاس کچھ نہ کچھ زادِ راہ بھی ہو، اور وہ مشعل بھی ساتھ رکھتا ہو جو ناریکیوں میں راستہ دکھائے۔ نبی اکرم کی عطا کردہ قرآنی حکمت کے رُوسے تین حقیقتیں ایسی ہیں جن کے صحیح شعور پر انفرادی کردار اور اجتماعی نظام کی صحت کا دار و مدار ہے۔

ان میں سے اولین حقیقتِ عظمیٰ (SUPREME REALITY) خدا کی ہستی ہے۔ یہاں میں خدا کی ہستی پر لائل نہیں دوں گا۔ کہنا یہ ہے کہ اسلامی حکمتِ علم کی بنیاد تصورِ خدا پر ہے۔ اس کی ذات، اس کی صفات اور اس کے حقوق کا شعور ہی انسانی زندگی کی فلاح کا ضامن ہے۔

دوسری بڑی حقیقت خود انسان ہے۔ انسان خدا کی ساری مخلوق میں امتیازی مرتبہ رکھتا ہے۔ اس کا منصب خدا کی عبادت یعنی پرستش و اطاعت ہے۔ وہ اگر صحیح روش پر چلے تو اس کے لیے خلافت و نیابت کا درجہ ملتا ہے۔ اسے عقلِ علم سے بہرہ ور کرنے کے ساتھ ساتھ تمیزِ خیر و شر دی گئی ہے، بنا بریں وہ ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔

۵۵ ملاحظہ ہو آیت: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (۵۱-۵۶)

۵۶ ملاحظہ ہو آیت: رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (۲۰-۱۱۴)

۵۷ ملاحظہ ہوں آیات: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ... (۱۷-۷۰) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (۲۰-۷۰)

۵۸ : يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ... (۲۱-۲۰) وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (۵۱-۵۶)

۵۹ ملاحظہ ہو آیات: وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ... (۲۴-۵۵)

۶۰ ملاحظہ ہو آیت: وَهَدَيْنَاهَا لِلْجِدِّينَ (۹۰-۱۰) لَعَلَّ مَلاَحِظَهُمْ آيَاتِ: أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا (۱۳-۱۵)

تیسری بڑی حقیقت مادی کائنات ہے جو نامعلوم محرکات کے تحت کسی حادثے کے طور پر نہیں بن گئی، وہ رام لیلیا یا کھیل تماشا نہیں ہے۔ وہ بے مقصد و بے نتیجہ نہیں ہے۔ اس کی ایک غایت ہے۔ اس میں نظم و ترتیب ہے۔ اس میں ہر چیز اٹل قوانین میں جکڑی ہوئی ہے۔ اس میں توازن ہے اور اس میں حسن و زیبائی ہے۔ پوری کائنات ایک ہی کل ہے جو ایک ہی قوت کے زیر فرمان چل رہی ہے۔ اس کائنات کی تمام مادی اشیاء اور قوتیں جن تک انسان کی دسترس ہو، اس کے لیے "متاع" کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان سے وہ برحیثیتِ نائبِ الہی فائدہ اٹھانے اور ان کو حدود اللہ کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا مجاز ہے۔ کائنات مادی کے موجودات اور ان کی قوتوں سے کام لینے کے لیے ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے، اس علم کو حضور نے علم ابدان قرار دیا ہے یعنی وہ علم جو عظیم موجودات — نامی و غیر نامی — اور ان کی قوتوں اور ان کے استعمالات سے بحث کرتے ہیں۔

ان سرگازہ تحقیقتوں کے درمیان سفر کرنے والے طالب علم کے سامنے حقائق کے دو بڑے دائرے

۱۱ ملاحظہ ہوں آیات: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَجِبِينَ (۲۱-۱۶) لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمْ آلًا تَتَّخِذُنَا هُ مِنْ لَدُنَّا، إِنَّ كُنَّا فَاعِلِينَ (۳۱-۱۷)

۱۲ ملاحظہ ہو آیت: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا (۳-۱۹)

۱۳ ملاحظہ ہو آیت: خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ (۶۴-۱۶۰-۳)

۱۴ ملاحظہ ہو آیت: هَلْ تَرَى مِنْ قُطُوبٍ (۶۷-۳)

۱۵ ملاحظہ ہو آیت: ... مَسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِ (۱۶-۱۲)

۱۶ ملاحظہ ہو آیت: وَوَضَعَ الْمِيزَانَ (۵۵-۷)

۱۷ ملاحظہ ہوں آیات: إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَهَا... (۱۸-۷) إِنَّا نَرَى السَّمَاءَ

الدُّنْيَا زِينَةً ۚ الْكَوَاكِبِ (۳۷-۶) وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزِينَةً لِّلنَّظِيرِ

(۱۵-۱۶) حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَزِينَتَ... (۱۰-۱۰)

۱۸ ملاحظہ ہوں آیات: لَوْ كَانَ فِيهَا إِلَهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (۲۱-۲۲) نِيرُ قُلُوبِ لَوْ كَانَ مَعَهُ

الِإِلَهَةِ كَمَا يَقُولُونَ إِذَا لَابَسْتُمْ إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا (۱۷-۴۲)

۱۹ ملاحظہ ہو آیت: ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (۳-۱۴) وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مَسَاقِدٌ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ

(۲-۲۴-۲-۳۶)

آتے ہیں۔ ایک ظواہر و محسوسات کا دائرہ، دوسرا امورِ غیب کا دائرہ۔ امورِ غیب محسوسات کے پردے کے پیچھے ہیں اور ان تک براہِ راست رسائی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ ہمیں نہیں دیا گیا لیکن ہم امورِ غیب سے بالکل بے نیاز ہو کر بھی نہیں چل سکتے۔ ہر فرد انسانی چند نمایاں سوالات سے دوچار رہتا ہے کہ آیا کوئی خالق و مالک ہے یا نہیں؟ یہ زندگی ایک وقتی ظہور ہے یا اسے موت کے بعد بھی کسی شکل میں جاری رہنا ہے؟ ہم اپنے اعمال سے جو کچھ چاہیے کچھ نتائج فوری طور پر پالیتے ہیں۔ بس معاملہ ان ہی پر ختم ہے یا کسی تاوان کا قانون کے تحت عدل و انصاف کے مطابق ان کے صحیح اور مکمل نتائج ملنے ہیں؟ زندگی کا معاشی اور

اللہ امورِ غیب کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً:

ایک وہ تمام امور جو ماضی و مستقبل کے دائرے میں پائے جاتے ہیں۔ نیز ایسے دور رس اور وسیع اثر تواریخ و عوامل جو صد ہا تاریخی واقعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ پھر اخلاقی و تمدنی سلسلہ اسباب و علل کے وہ بے حساب اور ناقابلِ استقصا نتائج جو ہزار ہا اشخاص سے ہوتے ہوئے کسی نسل تک پھیلتے چلے جاتے ہیں اور بسا اوقات ان کا دائرہ وسعت عالمگیر ہوتا ہے۔ دو واضح رہے کہ الہامی علم و ہدایت میں ایسے حقائق و امور کی بھی نشاندہی کی جاتی ہے۔

دوسرے وہ امور جو ایک وقت میں کسی کے لیے غیب ہیں، کسی کے لیے شہود۔ جیسے مری میں بیٹھے ہوتے ہم نہیں جانتے کہ اس لمحے لاہور کی مال روڈ یا کراچی کی نیدر گاہ پر کیا ہو رہا ہے اور ہاں کون کون سے اشخاص موجود ہیں۔ یا مثلاً اس وقت کہاں کہاں بارش ہو رہی۔ یا مثلاً ایک آدمی ریلوے ٹائم ٹیبل دیکھ کر یہ جان چکا ہے کہ فلاں نام کی گاڑی کس جگہ کب آنے والی ہے اور اب کس مقام سے گذر رہی ہوگی، لیکن اس بارے میں دوسرے بے شمار لوگ لاعلم ہیں۔ یا مثلاً ایک شخص کسی خاص زبان یا علم و فن کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے بے شمار ایسے امور سے واقف ہوتا ہے جن کو دوسرے نہیں جانتے۔ تیسرے وہ امور جو ایک زمانے کے لوگوں کے لیے دائرہ غیب میں ہوتے ہیں اور دوسرے زمانے میں شہود بن جاتے ہیں جیسے ریڈیو، بجلی یا جوہری توانائی کا وجود، یا جیسے چاند کی حقیقت کے بہت سے گوشے جو خلائی جہازوں کے استعمال سے قبل نامعلوم تھے۔ یہ ساری اقسام ممکنہ شہود و غیب کی تعریف میں آتی ہیں۔

چوتھے وہ امور جنہیں ہم محض اشیاء و حوادث کے علم کی ہزار وسعتوں کے بعد بھی براہِ راست نہیں جان سکتے۔

جنسی کامرانیوں سے بلند تر بھی کوئی مقصد ہے؟ ان سوالات کا جواب طے کیے بغیر زندگی کی سرگرمی و خوبی سے جاری نہیں رکھا جاسکتا۔ ہر شخص اثنائاً نہیں تو نفسیاً، شعوری طور پر نہیں تو نیم شعوری طور پر، باقاعدہ استدلال سے نہیں تو ظن و تخمین سے ان سوالات کے جوابات طے کرتا ہے اور پھر اس کی زندگی اس کے پسندیدہ جوابات کے مطابق کوئی ہیج اختیار کرتی ہے۔

ان امور غیب کے متعلق انبیاء و وحی و الہام سے حاصل کروہ علم کو ہمارے سامنے رکھ کر کائنات اور تاریخ کے شواہد سے ثابت کر کے دکھاتے ہیں کہ الہامی رہنمائی کو پیش کرنے اور قبول کرتے والے ہی فلاح پاتے ہیں۔ (دبائی)

دقیقہ حاشیہ ۲۸
مثلاً خدا کی ہستی، سلسلہ وحی و الہام، حیات بعد الموت وغیرہ۔
اپنی بحث میں اسی معنی میں ہم نے امور غیب کی اصطلاح استعمال کی ہے۔